

کلام نبویؐ کی کرنیں

مولانا عبدالمالک

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا۔ اس میں فرمایا کہ جھنڈا زید نے لیا پھر جام شہادت نوش کر لیا، پھر جھنڈا جعفر نے پکڑا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد عبد اللہ بن رواحہ نے پکڑا تو وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر خالد بن ولید نے جھنڈا لے لیا بغیر اس کے کہ اسے مقرر کیا گیا ہو۔ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں مذکورہ صحابہ کرامؓ، زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ کو امیر مقرر کیا تھا، تینوں شہید ہو گئے تو خالد بن ولیدؓ نے ہنگامی بنیادوں پر جھنڈا پکڑ لیا) (جھنڈا فوج کی کمان کرنے والے کے پاس ہوتا تھا اور اسی کو سربراہ اور امیر سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ صحابہؓ نے ان کو اپنا امیر سمجھ کر ان کی قیادت میں جنگ کی اور جنگ جیت لی) اور فتح پائی۔ (بخاری، کتاب الجہاد)

یہ غزوہ موتہ کا واقعہ ہے۔ ۳ ہزار کی تعداد میں صحابہ کرامؓ تھے اور قیصر روم کی ایک لاکھ فوج تھی۔ ۳ ہزار کی فوج نے ایک لاکھ کا مقابلہ کیا۔ ایک اور ۳۳ کی نسبت تھی۔ مسلمانوں نے اپنی قلت تعداد کے باوجود دُور دراز علاقے میں کفار کی فوجوں کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست سے دو چار کیا۔ اس جنگ کا پس منظر یہ ہے کہ رومی سلطنت کے ساتھ کشمکش کی ابتدا فتح مکہ سے پہلے ہو چکی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی دعوت پھیلانے کے لیے جو وفد عرب کے مختلف خطوں میں بھیجے تھے، ان میں سے ایک وفد شمال کی طرف سرحد شام سے متصل قبائل میں بھی گیا تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر عیسائی تھے اور رومی سلطنت کے زیر اثر تھے۔ ان لوگوں نے ذات الطلع یا ذات اطلاق کے مقام پر اس وفد کے آدمیوں کو قتل کر دیا، اور صرف امیر وفد کعب بن عمیر غفاری بچ کر واپس آئے۔ اسی زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بصرہ کے رئیس شریحیل بن عمرو کے نام بھی دعوت اسلام کا پیغام بھیجا تھا مگر اس نے آپؐ کے ایلچی حارث بن عمیر کو قتل کر دیا۔ یہ رئیس بھی عیسائی تھا اور براہ راست قیصر روم کے

احکام کا تابع تھا۔ ان وجوہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمادی الاولیٰ ۸ ہجری میں ۳ ہزار مجاہدین کی ایک فوج سرحد شام کی طرف بھیجی تاکہ آئندہ کے لیے یہ علاقہ مسلمانوں کے لیے پُر امن ہو جائے اور یہاں کے لوگ مسلمانوں کو بے زور سمجھ کر ان پر زیادتی کرنے کی جرأت نہ کریں۔ یہ فوج جب ہان کے قریب پہنچی تو معلوم ہوا کہ شرمیل بن عمرو ایک لاکھ کالشکر لے کر مقابلے پر آ رہا ہے۔ خود قبضہ روم مقام محص پر موجود ہے اور اس نے اپنے بھائی تھیوڈور کی قیادت میں ایک لاکھ کی مزید فوج روانہ کی ہے۔ لیکن ان خوف ناک اطلاعات کے باوجود ۳ ہزار سرفروشن کا یہ مختصر دستہ آگے بڑھتا چلا گیا اور موت کے مقام پر شرمیل کی ایک لاکھ فوج سے جا ٹکرایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ مجاہدین اسلام بالکل پس جاتے لیکن سارا عرب اور تمام شرق اوسط یہ دیکھ کر شمشدر رہ گیا کہ ایک اور ۳۳ کے اس مقابلے میں بھی کفار مسلمانوں پر غالب نہ آ سکے۔ یہی چیز تھی جس نے شام اور اس سے متصل رہنے والے نیم آزاد عربی قبائل کو بلکہ عراق کے قریب رہنے والے نجدی قبائل کو بھی جو کسریٰ کے زیر اثر تھے، اسلام کی طرف متوجہ کر دیا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے (بحوالہ تفہیم القرآن، سورہ توبہ)۔ آج بھی اس تاریخ کو دہرایا جاسکتا ہے، مسلمان اپنی قلت تعداد اور فوج اور اسلحہ اور ٹکنالوجی میں کفار سے کم نہ ہونے کے باوجود ان کو پسپا کر سکتے ہیں بشرطیکہ ان میں اسی طرح کی جاں سپاری، سرفروشی، جرأت اور بہادری ہو اور وہ کفار سے مرعوب ہونے کے بجائے مرعوب کرنے والے ہوں۔ لیکن آج تو صورت حال یہ ہے کہ مسلمان حکمران کفار کے لیے نرم چارہ بن چکے ہیں اور ان کے سامنے جب تک کہ تابع فرمان بن کر زندگی گزارنے کو اپنی زندگی کا سامان سمجھتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی قیادت آگے آئے جو صحابہ کرامؓ کے جذبہ ایمان اور شوق شہادت کو زندہ کرنے والی ہو اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کر دینے کا مشن رکھتی ہو۔



حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے ایک درجہ تواضع کرے اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ اونچا کرتے ہیں اور اس کو اتنا اونچا کرتے ہیں کہ وہ علیین تک پہنچ جاتا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تکبر کرے اللہ تعالیٰ اسے اسفل السافلین تک پہنچا رہے ہیں۔ (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر لینا عزت و رفعت کا سامان ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہم وہ قوم ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بدولت عزت دی ہے، جب ہم اسلام کے علاوہ کسی اور چیز سے عزت طلب کریں گے تو اللہ ہمیں ذلیل کر دے گا۔ آج مسلمان اللہ تعالیٰ کے

دین کو چھوڑ کر پستی میں گر چکے ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

دین کو چھوڑنا اور لادینی نظاموں کو قبول کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بڑا ہٹا ہے، جو اللہ تعالیٰ کو

انتہائی ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: العظمة ازاری والكبرياءى روائى فمن ناز عنى

فيهما اهينة، ”عظمت پر آزاری ہے اور بڑائی میری چادر ہے جس نے میرے ساتھ ان کے معاملے

میں کش مکش کی میں اسے ذلیل کروں گا“۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کے تابع کر دے تاکہ ہماری ساری

ذلتیں اور پستیاں ختم ہو جائیں اور ہم اس دنیا میں بھی سر بلند اور آخرت میں بھی سرخرو اور کامیاب ہو جائیں۔



حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے ساتھ

احسان کیا جائے تو وہ اس کا بدلہ دے۔ اگر بدلہ نہ دے سکے تو اس کا تذکرہ کرے، جس نے اس کا

تذکرہ فرمایا تو اس نے اس کی شکرگزاری کر دی اور جو آدمی اپنے آپ کو سیر ظاہر کرے در آنحالیکہ وہ

بھوکا ہو، اس کے پاس وہ چیز نہ ہو جسے وہ اپنے پاس ظاہر کر رہا ہے تو وہ جھوٹا لباس پہننے والے کی

طرح ہے۔ (مسند احمد)

بہت سے لوگ بھوکے ہوتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو سیر ظاہر کرتے ہیں، جاہل ہوتے ہیں اور اپنے

آپ کو عالم ظاہر کرتے ہیں۔ سیرت و کردار کے خام ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو متقی و پرہیزگار ظاہر

کرتے ہیں۔ یہ دراصل نفاق میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ان کے ظاہر و باطن میں اختلاف ہے اور جس

کے ظاہر و باطن میں اختلاف ہو وہ منافق ہوتا ہے، یہ جھوٹا لباس ہے۔ اپنے آپ کو متقی اور پرہیزگار

ظاہر کرنا در آنحالیکہ اس میں تقویٰ نہ ہو ایسی بیماری ہے کہ اس کا جلد از جلد علاج کیا جائے ورنہ نفاق کی

بیماری بڑھ گئی تو وہ کینسر بھی بن سکتی ہے، جو لا علاج بیماری ہے۔



حضرت عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم مریض کی عیادت

کرنے جاؤ تو اس سے اپنے لیے دعا کراؤ۔ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہے۔ (ابن ماجہ)

بیماری مسلمان کو گناہوں سے پاک و صاف کر دیتی ہے۔ اگر ایک مسلمان شعوری طور پر مسلمان ہو اور

دین پر عمل پیرا ہو تو بیماری اس کے لیے تزکیہ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اور وہ گناہوں سے اسی طرح پاک

ہو جاتا ہے جس طرح فرشتے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبولیت دعا کا ایک دروازہ بیمار مسلمان سے دعا کرانے کا بتلایا ہے۔ بیمار کی عیادت کرنا، اس کے لیے دعا کرنا بھی سنت ہے اور اس سے دعا کرنا بھی سنت ہے۔ بیمار سے دعا کرانے کی سنت کو بھی عام کرنا چاہیے جن سے لوگوں کی مشکلات اور مصائب حل ہوں۔



حضرت عیاض بن حمار مجاشعیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ! کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرے۔ (مسلم، مشکوٰۃ، باب المفاخرہ والعصیۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کو پیش نظر رکھا جائے تو معاشرے میں انس و محبت کا دور دورہ ہو جائے۔ جب ہر کوئی دوسرے سے اپنے آپ کو چھوٹا سمجھے اور کسی پر فخر نہ کرے اور کسی کے ساتھ زیادتی سے بھی پیش نہ آئے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ لوگ آپس میں متصادم اور برسرِ پیکار ہوں۔ اس کے برعکس ہر ایک دوسرے کا ہمدرد و غم گسار ہوگا اور دوسرے کی مصیبت میں اس کے کام آنے والا ہوگا جس کے نتیجے میں باہمی محبت میں اضافہ ہوگا۔ آج معاشرے کو اس ہدایت کی سخت ضرورت ہے۔



حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کے لیے ایک حقیقت ہے، ایمان کے لیے بھی ایک حقیقت ہے۔ اور کوئی شخص ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک یہ عقیدہ نہ رکھے کہ جو آرام اور تکلیف اسے پہنچی ہے، وہ پہنچ کر رہی تھی اور جو آرام اور تکلیف اسے نہیں پہنچی وہ اسے پہنچنے والی نہ تھی۔ (مسند احمد)

انسان زندگی کے جن مراحل سے گزرتا ہے وہ اس کی تقدیر میں لکھ دیے گئے ہیں۔ وہ ان مراحل سے گزر کر رہی آگے بڑھتا ہے۔ اس لیے وہ جس حال میں بھی ہو اسے صبر و شکر کو اپنا وظیفہ بنا کر حوصلے کے ساتھ زندگی گزارنا چاہے اور کبھی بھی بے حوصلہ ہو کر مایوسی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ مومن جرأت مند اور حوصلہ مند شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے ہمارے سامنے یہی نمونہ پیش کیا ہے۔ اس کو اپنانا کامیابی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انقلاب اور صحابہ کرامؓ کی خلافت راشدہ اسی کی تصویر ہے۔ آج بھی اسے دہرایا جاسکتا ہے۔